ہم خدا تعالیٰ کے پیار کو حاصل کر کے دنیا کیلئے ایک نمونہ بننے کیلئے پیدا ہوئے ہیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴؍جنوری ۱۹۷۵ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:-

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ (الانعام:۱۴۸)

پھر حضور انور نے فرمایا:-

مَیں نے بتایا تھا کہ جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مہدی معہود علیہ السلام کی وساطت سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فیض پہنچا ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ کا عرفان نصیب ہوا۔ ہماری ہر دم یہ کوشش رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی رہے اور ہم کبھی اس کی ناراضگی مول لینے والے نہ بنیں۔

قرآن عظیم نے ہمیں بہت سی تعلیمات دی ہیں۔ ہمیں بار بار اور کھول کھول کر بتایا ہے کہ بدیوں، بداعمالیوں اور گناہوں سے بچ کر ہی ہم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی ایسی تعلیمات بھی دی ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہو کر ہم اللہ تعالیٰ کے پیار، اس کی محبت اور اس کی رضا کو حاصل کر سکتے ہیں۔

مَیں نے چھوٹی سی آیت جو ابھی تلاوت کی ہے، اس میں ہر دو پہلوؤں کے متعلق ہمیں

ایک بات بتائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول! اگر نوع انسان میں سے ایک گروہ تیری تکذیب کرے اور تصدیق نہ کرے تو اس سے تیری بعثت کے مقصد پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ تیرے ماننے والے بھی موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمتوں کے مورد ہیں۔ یہ عربی زبان کا محاورہ ہے کہ ایک لفظ استعمال ہوتا ہے اور اس کے متضاد معنے بھی وہاں موجود ہوتے ہیں۔ اس لفظ کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ اس کے دوسرے معنوں کو بھی مدنظر رکھا جائے۔ پس اگرچہ اس آیہ کریمہ میں فَاِنْ كَذَّبُوْكَ کہا ہے لیکن کذب اور صدق عربی زبان میں ایک دوسرے کے مقابلے میں استعمال ہوتے ہیں۔ کذب کے معنے ہیں جھٹلانا اور کذّب کے معنے ہیں جھوٹ کی طرف منسوب کرنا۔ یہ قولاً بھی ہے اور اعتقاداً بھی۔ یعنی وہ اعتقاد جس کے نتیجہ میں عمل پیدا ہوتا ہے اس معنی میں بھی اسے استعمال کرتے ہیں اور جیسا کہ مَیں ابھی بتاؤں گا اس آیت میں جو بات بیان ہوئی ہے وہ ہر دو پر حاوی ہے یعنی کذب کے ساتھ صدق کے معنے بھی مضمر ہیں یعنی اپنے قول سے بھی تصدیق کرنا اور اعتقاد بھی ایسا ہی پختہ رکھنا کہ جس کے نتیجہ میں عمل پیدا ہوتا ہے۔

پس جہاں یہ بیان ہوا کہ نوعِ انسان میں سے جن کی طرف قرآن عظیم جیسی کامل اور مکمل کتاب نازل ہوئی اور یہی وہ کامل اور مکمل شریعت ہے جسے انسانِ کامل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لے کر آئے مگر ان لوگوں کا ایک حصہ اسے جھوٹ کی طرف منسوب کرتا ہے اور چونکہ لوگ اسے جھوٹ سمجھتے ہیں اس لئے کہتے ہیں ہم اس پر عمل نہیں کریں گے۔ فرمایا ایک دوسرا گروہ ہے جو تصدیق کرتا ہے قول سے بھی کہ خدا تعالیٰ کا ایک سچا اور کامل رہبر ہماری طرف آ گیا اور دل سے بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں اور قرآنی ہدایات کے مطابق اعمال بجا لاتے ہیں۔ چونکہ یہ دوسرا گروہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جس کے ساتھ خدا تعالیٰ کی رحمت کا تعلق ہوتا ہے اس لئے جو اُن کی جزا تھی اُسے پہلے بیان کر دیا اور فرمایا:-

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ

جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے عربی محاورہ خود لفظ کے معنی اور مفہوم کو متعیّن کرتا ہے۔ اِس لحاظ سے اِس کا مفہوم یہ ہے کہ اے رسول! وہ لوگ جو تکذیب نہیں کرتے بلکہ تصدیق کرتے ہیں وہ

لوگ جو صدقِ دل سے تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تیری شریعت کو حقیقتاً سچی اور کامل ہدایت سمجھتے ہیں اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سلوک ہوتا ہے اور اُن کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے جلوے ظاہر ہوتے ہیں جو اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ہے لیکن وہ دوسرا گروہ جو تکذیب کرتا ہے اور اسلام کو سچا دین نہیں سمجھتا اور چونکہ سچا نہیں سمجھتا اس لئے اس پر عمل بھی نہیں کرتا تو مکذّبین کے اس گروہ کو یہ بھولنا نہیں چاہیئے کہ

لَا يُرَدُّ بَأْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ کہ جو لوگ مجرم ہیں اور بدی اور بدعملی سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اُن سے اللہ تعالیٰ کا عذاب ٹلایا نہیں جا سکتا۔ انہیں خدا کا عذاب بہرحال چکھنا پڑتا ہے۔

جیسا کہ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ یہاں مکذّبین کے ساتھ مصدّقین کا بھی ذکر کیا گیا ہے وہاں مجرم کا لفظ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ منکر کافر کے ساتھ مفسد منافق کا بھی ذکر ہے۔ ورنہ یہ کہا جاتا کہ لَا يُرَدُّ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ مگر قرآن کریم نے ایسا نہیں کہا۔ عربی زبان میں مجرم ایسے شخص کو کہتے ہیں جو مکروہ اعمال بجالاتا ہے۔ جو آدمی کافر منکر ہے اُس کے بُرے اعمال اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ وہ زبان سے بھی اور اعتقاداً وعملاً بھی شریعت محمدیہ پر ایمان نہیں رکھتا۔ لیکن ایک گروہ وہ ہے جو قولاً یہ کہتا ہے اور جس کی زبان یہ تسلیم کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ پر اللہ تعالیٰ کی کامل شریعت قرآن کریم کی شکل میں نازل ہوئی ہے لیکن وہ اس پر دلی اعتقاد نہیں رکھتا اس لئے وہ فسق و فجور میں مبتلا ہوتا اور شریعت کے احکام کو پیٹھ پیچھے پھینک دیتا ہے۔

پس لَا يُرَدُّ بَأْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ میں وہ مکذّب بھی شامل ہے جو نہ زبان سے تصدیق کرتا ہے اور نہ دل سے اس پر اعتقاد رکھتا ہے اور اس میں مکذّبین کا وہ گروہ بھی شامل ہے جو زبان سے تو تصدیق کرتا ہے لیکن دل سے تکذیب کرتا ہے اور فسق و فجور میں مبتلا رہتا ہے اور یہ منافق کا کام ہے چونکہ ایک کافر کے قول اور اس کے فعل میں تضاد نہیں ہوتا۔ مکذّب کافر اور منکر زبان سے بھی صداقت کا انکار کرتا ہے اور پھر اسی کے مطابق اس کے عقائد اور اعمال بھی ہوتے ہیں کیونکہ خود تضاد بھی انسانی زندگی کا ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اس

لئے کافر کا تضاد کے گناہ سے بچنا اُسے یہ فائدہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ایک وجہِ بغاوت وفساد کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے لئے جہنم کا سب سے نچلا درجہ مقرر نہیں کرتا لیکن جو آدمی منافق ہے وہ زبان سے تو کہتا ہے میں ایمان لایا مگر دلی اعتقاد کے فقدان کی وجہ سے اس کے فسق وفجور میں مبتلا ہونا بتاتا ہے کہ وہ ایمان نہیں لایا اور ریا کے طور پر بظاہر کچھ نیک اعمال بھی بجالاتا ہے لیکن حقیقی نیکی اس سے اتنی ہی دور ہوتی ہے جتنی زمین آسمان سے دُور ہے۔ اس لئے اس آیت سے ہمیں یہ پتہ لگتا ہے کہ یہ تضاد والا جو گناہ ہے اس کو خدا تعالیٰ نے نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء: ۱۴۶) کو اس آیت کے ساتھ ملا کر معنی کریں تو ہمیں یہ پتہ لگتا ہے کہ اگرچہ منافق آدمی مکذّب منکر اور کافر کے ساتھ اعتقاداً اور عملاً شامل ہوتا ہے لیکن ایک زائد گناہ وہ یہ کرتا ہے کہ اس کی زندگی میں تضاد پایا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے کہ تضاد نہ پایا جائے۔ ایک شخص باغی ہے وہ کھلم کھلا کہتا ہے کہ میں ایمان نہیں لاتا اور ایک وہ ہے جو کہتا ہے مَیں ایمان لاتا ہوں یعنی صرف زبان سے ایمان لاتا ہے مگر نہ اس کا اعتقاد ایمان کے مطابق ہوتا ہے اور نہ اس کے اعمال ایمان کے مطابق ہوتے ہیں۔ پس منافق کا ایک گناہ منکر اور کافر سے زیادہ ہوتا ہے باقی گناہ برابر ہوتے ہیں اس لئے فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ کی سمجھ آ گئی کہ کیوں منافقین کو زیادہ سزا دی گئی ہے۔ ویسے تو ہم قرآن کریم کی ہر آیت پر ایمان لاتے ہیں چاہے اس کی ہمیں سمجھ آئے یا نہ آئے لیکن چونکہ خدا تعالیٰ نے قرآن عظیم کو ایک حکمت والی کتاب بنایا ہے اس لئے وہ ساتھ ساتھ سمجھاتا اور دلیل بھی دیتا ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ میں یہی مضمون بیان فرمایا ہے کہ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف:۱۵۷) اور اس طرح بتایا ہے کہ مَیں (اللہ) رحمت واسعہ کا مالک ہوں۔ اگرچہ یہ درست ہے اور یقیناً درست ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات کا جلوہ اللہ پر ایمان لانے والے۔ اس سے تعلق رکھنے والے، اس پر جاں نثار کرنے والے اور اس کے فدائیوں پر ظاہر ہوتا ہے اور وہ جلوہ دُنیا پر یہ ثابت کرتا ہے کہ ہمارا رب ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ہے لیکن باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ہے نوع انسانی کو

یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ قہّار بھی ہے۔ انسان پر اس کا غضب بھی بھڑکتا ہے اگر کوئی شخص خود کو اللہ تعالیٰ کے غضب کا اہل بنالے تو وہ خواہ زبان سے انکار کرے اور اس کے مطابق ہی وہ کافر و منکر کہلائے خواہ زبان سے اقرار کرے لیکن دلی اعتقاد نہ رکھے اور دلی اعتقاد کے نتیجہ میں جو مخلصانہ اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ اس سے سرزد نہ ہو رہے ہوں تو اس سے اللہ تعالیٰ کا عذاب ٹالا نہیں جاسکتا۔ اس میں بڑی سخت وارننگ اور تنبیہہ ہے اُن کے لئے بھی جو منکر اور کافر ہیں اور اُن کے لئے بھی جو بظاہر خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کی جماعت میں، امّت محمدیہ میں شامل ہوتے ہیں لیکن اُن کا اقرار محض زبان کا ہوتا ہے۔ یہ اقرار دل اور دوسرے جوارح اور عمل کا نہیں ہوتا۔ مثلاً اعتقاد جو اُن کے زبانی اقرار سے تضاد رکھتا ہے یا عمل جو ہے وہ زبانی دعویٰ سے مختلف ہے تو زبانی دعووں سے کوئی شخص خدا تعالیٰ کا پیار حاصل نہیں کر سکتا بلکہ وہ اس زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے جس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔

غرض جو لوگ کھلم کھلا انکار کرتے ہیں وہ تو واضح ہیں لیکن ہر وہ شخص جو خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا اور اُس نے یہ اعلان کیا کہ وہ اپنی زندگی اُس شریعت اور ہدایت کے مطابق گزارے گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی یعنی قرآن کریم کو لائحہ عمل بنائے گا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلحائے امت کے جس سلسلہ کی ہمیں اطلاع دی ہے اور جس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ برگزیدہ اور صالحین کے ساتھ رہو گے تو اللہ تعالیٰ کے پیار کو حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ شخص بھی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ صالحین کے ساتھ رہے گا۔ اسی طرح جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہدی علیہ السلام کے آنے کی پیشگوئی فرمائی اور اس کا یہ دعویٰ ہے کہ میں نے مہدی علیہ السلام کو پہچانا ہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہدی کو سلام بھیجا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اُسے یعنی مہدی معہود کو جو سلامتی پہنچی تھی اُس میں حصہ دار ہونے کی کوشش کی۔ صرف اُس کے لئے نہیں بلکہ ساری جماعت کے لئے بڑے خوف کا مقام ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اپنی غفلت کے

نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے اُن فضلوں سے محروم ہو جائے جو جماعت احمدیہ پر نازل ہوتے ہیں۔ ویسے جان بُوجھ کر تو کوئی احمدی ایسا نہیں کرتا سوائے اس کے کہ کوئی منافق ہو لیکن میں اس وقت منافق کی بات نہیں کر رہا، مَیں اُن لوگوں کی بات کر رہا ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں وارننگ دی ہے اور جن کو تنبیہہ کی گئی ہے کہ دیکھو قول وفعل میں تضاد بڑے خوف کا مقام ہے۔ اگر تمہارے قول اور تمہارے فعل اور تمہارے اعتقاد میں تضاد ہوا بایں ہمہ کہ تم نے دعویٰ یہ کیا کہ ہم ایمان لائے۔ ہم نے تصدیق کی۔ لیکن اگر تمہارا اعتقاد اس سے مختلف ہوا یا تمہارے اعمال اس سے مختلف ہوئے تو یہ نہ بھولنا کہ لَا يُرَدُّ بَأْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ تم مجرم بن جاؤ گے اور مجرم اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔ قرآن کریم تمہیں یہ بتا دیتا ہے کہ یہ عذاب ہے اس سے تم بچ نہیں سکتے اس کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ اس لئے ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ جس معنی میں اسلامی اصطلاح میں تصدیق کا لفظ استعمال ہوا ہے اور وہ تکذیب کے مقابلہ میں ہے اس معنی میں ہم مصدّق ہوں گے۔ زبان سے بھی تصدیق کرنے والے اور اس کے مطابق عملی اعتقاد رکھنے والے ہوں گے۔ دراصل ''اعتقاد صحیحہ'' منبع بنتا ہے اعمال صالحہ کا۔ پس اگر ہمارے اعمال صالحہ ہوں گے تو ہم اپنی زندگیوں میں خدا تعالیٰ کو ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ پائیں گے۔ لیکن اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو خواہ ہمارا دعویٰ یہ ہو کہ ہم مصدّق ہیں ہمارا مقام مصدّق کا مقام نہیں ہوگا بلکہ ہم اللہ تعالیٰ کے قہر کے نیچے آ جائیں گے۔ لیکن ایک احمدی جو منافق نہیں ہے ویسے الٰہی سلسلوں میں منافقوں کا سلسلہ بھی ساتھ لگا ہوا ہے لیکن وہ تو استثناء ہیں اور جو استثناء ہے وہ قاعدہ کو ثابت کرتا ہے۔ الٰہی سلسلوں میں بہت بھاری اکثریت مخلصین کی ہوتی ہے۔ میرے خیال میں منافق کا وجود تو شاید ہزار میں سے ایک بھی نہیں ہوگا شاید دس ہزار میں ایک بھی نہیں ہوگا لیکن جو شخص منافق نہیں ہے یعنی اُن لوگوں کی طرح نہیں ہے جو جانتے بوجھتے ہوئے زبان سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اس کے مطابق اعتقاد نہیں رکھتے اور نہ عمل کرنے کے لئے تیار ہیں سوائے ریا اور دکھاوے کے عمل کے۔ منافق کے تو سارے اعمال ہی دکھاوے کے ہوتے ہیں کیونکہ جب وہ دل سے اعتقاد ہی نہیں رکھتا اور اس کا ایمان صحیح ہے ہی نہیں تو اس کا جو مومنانہ عمل ہوگا وہ ریا اور دکھاوے کا عمل ہوگا۔ وہ خدا تعالیٰ کے پیار کو حاصل کرنے والا

عمل نہیں ہوگا لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے کہ انسان صداقت کے پہچان لینے کے بعد بھی بشری کمزوری یا غفلت کے نتیجہ میں ایک ایسا کام کر لیتا ہے جو ایک مومن اور مصدّق کا عمل نہیں ہوتا بلکہ ایک منافق کا عمل ہوتا ہے۔

پس نفاق سے بچنے کے لئے دعائیں کرنی چاہئیں۔ اس سے بچنے کے لئے مجاہدہ کرنا چاہیئے اور بڑی کوشش کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نفاق سے محفوظ رکھے۔ یاد رکھیں ہم خدا تعالیٰ کے پیار کو حاصل کر کے دنیا کے لئے ایک نمونہ بننے کی خاطر پیدا ہوئے ہیں۔ ہماری زندگی کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے اس نمونے اور روحانی خوبصورتی کے نتیجہ میں دنیا میں اسلام کو سربلند کر سکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ رحمۃ للعالمین تھے اس لئے جب آپ کا سایہ انسان پر پڑتا ہے تب اس میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ اس خوبصورتی اور اس احسان کے نتیجہ میں کہ انسان جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑتا ہے تو آپ کی قوت احسان انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ خدا کرے آپ کے اس حسن و احسان اور آپ کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کے نتیجہ میں ہم اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور ہمارا مقصد یہی ہے کہ ہم نے نوع انسان کے دل جیت کر اپنے محبوب آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع کرنے ہیں۔ انشاء اللہ۔ وباللہ التوفیق۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۲ را پریل ۱۹۷۵ء صفحہ ۲ تا ۴)

۞۞۞